

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ حَفَانُ أَطْعَنَكُمْ  
فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِ أَكْبَرًا ۖ ۳  
وَإِنْ خِفْتُمُ شَقَاقَ بَيْنَهُمَا فَابْعَثُوهُ حَكْمًا مِنْ أَهْلِهِ  
وَحَكْمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدُهُ أَصْلَاحًا يُوَرِّقُ اللَّهُ بَيْنَهُمَا طَ  
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْهِمَا حَسِيرًا ۷۵ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا

خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہا اور مارو [۵۹]، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ تجوہ ان پر دست درازی کے لیے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بڑا اور بالاتر ہے۔ اور اگر تم لوگوں کو کہیں میاں اور بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، وہ دونوں [۶۰] اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے [۶۱] اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناو،

[۵۹] یہ مطلب نہیں ہے کہ تینوں کام بیک وقت کر کرے لے جائیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نشوز کی حالت میں ان تینوں تدبیروں کی اجازت ہے۔ اب رب امان پر عمل در آمد، تو ہر حال اس میں قصور اور سزا کے درمیان ناسِب ہونا چاہیے، اور جہاں بھکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہ لینا چاہیے۔ نبی ﷺ نے یہ یوں کو مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے بادل ناخواست دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے۔ تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پہنچنے بغیر درست ہی نہیں ہوتیں۔ ایسی حالت میں نبی ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ منہ پر نہ مارا جائے، بے تحی سے نہ مارا جائے اور نہ ایسی چیز سے مارا جائے جو حسم پر نشان چھوڑ جائے۔

[۶۰] دونوں سے مراد ثالث بھی ہیں اور زوجین بھی۔ ہر جھگڑے میں صلح ہونے کا امکان ہے بشرطکہ فریقین بھی صلح پسند ہوں۔ اور نیچ والے بھی چاہتے ہوں کہ فریقین میں کسی طرح صفائی ہو جائے۔

[۶۱] اس آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جہاں میاں اور بیوی میں ناموافقت ہو جائے وہاں نزاع سے انقطاع تک نوبت پہنچنے یا عدالت میں معاملہ جانے سے پہلے گھر کے گھر بھی میں اصلاح کی کوشش کر لینی چاہیے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ میاں اور بیوی میں سے ہر ایک کے خاندان کا ایک ایک آدمی اس غرض کے لیے مقرر کیا جائے کہ دونوں مل کر اسباب اختلاف کی تحقیق کریں اور پھر آپس میں سر جوڑ کر پیشیں اور تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں۔ یہ نیچ والاث مقرر کرنے والا کون ہو؟ اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے ہم کھاہے تاکہ اگر زوجین خود چاہیں تو اپنے اپنے رشتہ داروں میں سے خود ایک ایک آدمی کو اپنے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لیے منتخب کر لیں، ورنہ دونوں خاندانوں کے بڑے بڑے ہمایہ مداخلت کر کے نیچ مقرر کریں، اور اگر مقدمہ عدالت میں پہنچنے ہی جائے تو عدالت خود کوئی کارروائی کرنے سے پہلے خاندانی نیچ مقرر کر کے اصلاح کی کوشش کرے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ ثالثوں کے اختیارات کیا ہیں۔ فقیماء میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ ثالث فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے، البتہ تصفیہ کی جو صورت ان کے نزدیک مناسب ہو اس کے لیے سفارش کر سکتے ہیں، ماننا یا نہ ماننا زوجین کے اختیار میں ہے۔ ہاں اگر

يَه شَيْعًا وَإِلَوًا إِلَدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى  
وَالْمَسِكِينَ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ  
بِالْجَنِّ وَابْنِ السَّبِيلِ لَا وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ طَإِنَّ اللَّهَ لَا  
يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُحْتَالًا فَخُورًا طَإِلَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ  
النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا أَتَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ طَ

مال باپ کے ساتھ نیک برتا کرو، قربات داروں اور سکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوںی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے [۲۲] ساتھی اور صافر سے، اور ان لوگوں نے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو، یعنی جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغزور ہو اور اپنی بڑائی پر فخر کرے۔ اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں جو کنجوی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو پچھلے اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا ہے اسے چھپا تے ہیں [۲۳]۔

زوجین نے ان کو طلاق یا خلع یا کسی اور امر کا فیصلہ کر دینے کے لیے اپنا دکیل بنایا ہو تو البتہ ان کا فیصلہ تایم کرنمازوجین کے لیے واجب ہو گا۔ یعنی اور شافعی علماء کا مسلک ہے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک دونوں پیشوں کو موافقت کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، مگر علیحدگی کا فیصلہ وہ نہیں کر سکتے۔ یہ حسن بصری اور تقادہ اور بعض دوسرے فقہاء کا قول ہے۔ ایک اور گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان پیشوں کو ملانے اور جدا کر دینے کے پورے اختیارات ہیں۔ ابن عباس، سعید بن جبیر، ابراہیم بن شعیب، محمد بن سیرین اور بعض دوسرے حضرات نے بھی رائے اختیار کی ہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے فیصلوں کی جو نظریں ہم تک پہنچی ہیں ان میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات پر مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے ان کو حاکمان انتخیارات دے دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عقیل بن ابی طالبؑ اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ بن رہیۃ کا مقدمہ جب حضرت عثمانؓ کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے شوہر کے خاندان میں سے حضرت ابن عباسؓ ہو، اور بیوی کے خاندان میں سے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو پیش مقرر کیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ دونوں کی رائے میں ان کے درمیان تفریق کر دینا ہی مناسب ہو تو تفریق کر دیں۔ اسی طرح ایک مقدمہ میں حضرت علیؓ نے حکم مقرر کیے اور ان کو اختیار دیا کہ چاہیں ملادیں اور چاہیں جدا کر دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش بطور خود تو عدالتی اختیارات نہیں رکھتے۔ البتہ اگر عدالت ان کو مقرر کرتے وقت انہیں اختیارات دیں تو پھر ان کا فیصلہ ایک عدالتی فیصلے کی طرح نافذ ہو گا۔

[۲۲] متن میں ”الصَّاحِبِ بِالْجَنِّ“ فرمایا گیا ہے جس سے مراد ہم نہیں دوست بھی ہے اور ایسا شخص بھی جس سے کہیں کسی وقت آدمی کا ساتھ ہو جائے۔ مثلاً آپ بازار میں جا رہے ہوں اور کوئی شخص آپ کے ساتھ راست چل رہا ہو، یا کسی دکان پر آپ مودا خرید رہے ہوں اور کوئی دوسرा خریدار بھی آپ کے پاس بیٹھا ہو، یا سفر کے دوران میں کوئی شخص آپ کا ہم سفر ہو۔ یہ عارضی ہمسایگی بھی ہر مہذب اور شریف انسان پر ایک حق عائد کرنی ہے جس کا تقاضا ہے کہ وہ حق الامکان اس کے ساتھ نیک برداشت کرے اور اسے تکلیف دینے سے مجتنب رہے۔

[۲۳] اللہ کے فضل کو چھپانا یہ ہے کہ آدمی اس طرح رہے گویا کہ اللہ نے اس پر فضل نہیں کیا ہے۔ مثلاً کسی کو اللہ نے دولت دی ہو اور

وَأَعْتَدْنَا لِلْكُفَّارِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ  
أَمْوَالَهُمْ رِزْقَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ  
وَمَنْ يَكُنْ شَيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿٧﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ  
لَوْ أَمْنَوْا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُ اللَّهُ طَوْكَان  
اللَّهُ عَلَيْهِمْ عَلِيمًا ﴿٨﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴿٩﴾ وَإِنْ تَكُونَ  
حَسَنَةً يُضْعِفُهَا وَيُؤْتَ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا  
جَنَّا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ يُشَهِّدُ وَجْهَنَّمَ بِكَ عَلَى هُولَاءِ شَهِيدًا ﴿١١﴾  
يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ الْيَوْمِ

ایے کافرنگت لوگوں کے لیے ہم نے رسول کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں جو اپنے مال  
محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخر پر۔ حق یہ ہے کہ  
شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت ہی بری رفاقت میسر آتی۔ آخر ان لوگوں پر کیا آفت آ جاتی اگر یہ اللہ اور روز آخر  
پر ایمان رکھتے اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے۔ اگر یہ ایسا کرتے تو اللہ سے ان کی سیکھی کا حال  
چھپانہ رہ جاتا۔ اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک سیکھی کرے تو اللہ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی  
طرف سے بڑا اجر عطا فرتا ہے۔ پھر سوچو کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہرامت میں سے ایک گواہ لا لیں گے  
اور ان لوگوں پر تمہیں (محمدؐ) گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔ [۱۳] اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے رسول کی  
بات نہ مانی اور اس کی نافرمانی کرتے رہے، تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے

وہ اپنی حیثیت سے گر کر رہے۔ ناپی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے، نہ بندگان خدا کی مدد کرے، نہ نیک کاموں میں حصہ لے۔ لوگ  
ویکھیں تو بھیجن کر بے چارہ بڑا ہی خستہ حال ہے۔ یہ رسول اللہ تعالیٰ کی سخت نا شکری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انَّ اللَّهَ  
إِذَا انْعَمْ نِعْمَةً عَلَى عَبْدٍ احْبَّ أَنْ يَظْهَرَ أَثْرَهَا عَلَيْهِ "اللَّهُ جَبَ كُسْكُسَيْ بَنْدَهُ كَوْنَعْتَ دِيَتَهُ بَهْ تَوَهُ بِيَنَدَهُ كَهْ تَوَهُ كَاهْ بَنَدَهُ بَهْ"  
ظاہر ہو، یعنی اس کے کھانے پینے، ہر ہی سببے بلباس اور مسکن اور اس کی دادوہش، ہر جیز سے اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔  
[۶۳] یعنی ہر دور کا پیغمبر اپنے دور کے لوگوں پر اللہ کی عدالت میں گواہی دے گا کہ زندگی کا وہ سیدھا راستہ اور فکر و عمل کا وہ صحیح  
طریق، جس کی تعلیم آپ نے مجھے دی تھی، اسے میں نے ان لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ پھر یہی شہادت محمد ﷺ اپنے دور کے لوگوں پر دیں گے،  
اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا دور آپ کی بعثت کے وقت سے قیامت تک ہے۔ (آل عمران، حاشیہ ۲۹)

بِهِمُ الْأَرْضُ طَوَّلَ يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ ۝  
أَمْنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا  
مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنَاحَ لِلَّادِعَ إِلَيْ رَبِّي سَبِيلٌ حَتَّىٰ تَعْتَسِلُوا طَ  
وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ

اور وہ اس میں سا جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے ۴۷  
اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم نشی کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب [۱۵] نہ جاؤ۔ نماز اس وقت پڑھنی چاہیے  
جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔ [۱۶] اور اسی طرح جنابت [۱۷] کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ  
کرو، الہ یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ [۱۸] اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص

[۱۹] پیشراب کے متعلق دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم وہ تھا جو (سورہ بقرہ: آیت ۲۱۹) میں گزرا چکا ہے۔ اس میں صرف یہ ظاہر کر کے  
چھوڑ دیا گیا تھا کہ شراب بری چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس کے بعد اس کے بعد یہی شراب سے پرہیز کرنے لگا تھا۔  
مگر بہت سے لوگ اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے کہ با اوقات نشی کی حالت ہی میں نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کا  
کچھ پڑھ جاتے تھے۔ غالباً ۲۳ ہجری کی ابتداء میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشی میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے  
اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیے اور اپنے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندر نہ ہوتا کہ کہیں نشی کی حالت میں نماز کا  
وقت نہ آجائے۔ اس کے پچھے مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا وہ حکم آیا جو (سورہ مائدہ: ۹۱-۹۰) میں ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں  
کر لیتی چاہیے کہ آیت میں سکر یعنی نشی کا لفظ ہے۔ اس لیے یہ مصرف شراب کے لیے خاص نہ تھا بلکہ ہر نشاور چیز کے لیے عام تھا۔ اور  
اب بھی اس کا حکم باقی ہے۔ اگر چنان آوارشیاں کا استعمال بجائے خود حرام ہے، لیکن نشی کی حالت میں نماز پڑھنے اور عظیم تر گناہ ہے۔

[۲۰] اسی بنابری ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی شخص پر نیذ کا غلبہ ہو رہا ہو اور وہ نماز پڑھنے میں بار بار اونچھ جاتا ہو تو  
اسے نماز چھوڑ کر سو جانا چاہیے۔ بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص نماز کی عربی عبارات کا مطلب نہیں سمجھتا اس کی  
نماز نہیں ہوتی۔ لیکن علاوہ اس کے کہ یہ ایک بے جا شدہ ہے، خود قرآن کے الفاظ بھی اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ قرآن میں حتی تفہیم  
یا حتی تفہیم ما تقولون نہیں فرمایا ہے بلکہ حتی تعلموا ما تقولون فرمایا ہے۔ یعنی نماز میں آدمی کو اتنا ہوش رہنا چاہیے کہ وہ یہ  
جانے کہ وہ کیا چیز اپنی زبان سے ادا کر رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کھڑا توہ نماز پڑھنے اور شروع کر دے کوئی غزل۔

[۲۱] جنابت کے اصل معنی دوری اور بیگانگی کے ہیں۔ اسی سے لفظ احمدی نکلا ہے۔ اصطلاح شرع میں جنابت سے مراد وہ نجاست  
ہے جو فضائیہ کو سے یا خواب میں مادہ خارج ہونے سے لاحق ہوتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے آدمی طہارت سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

[۲۲] فقہاء و مفسرین میں سے ایک گروہ نے اس آیت کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجد میں نہ جانا چاہیے الہ یہ کہ کی کام  
کے لیے مسجد میں سے گزنا ہو۔ اسی رائے کو عبد اللہ بن مسعود، اس بن مالک، حسن بصری اور ابراہیم تھجی وغیرہ حضرات نے اختیار کیا ہے۔ دوسرا  
گروہ اس سے سفر مراد لیتا ہے۔ یعنی اگر آدمی حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے تو تیم کیا جاسکتا ہے۔ رہا مسجد کا معاملہ، تو اس گروہ کی  
رائے میں جنپی کے لیے دشوار کے مسجد میں بیٹھنا جائز ہے۔ یہ رائے حضرت علی، ابن عباس، عیین بن جبیر اور بعض دوسرے حضرات نے اختیار  
فرمائی ہے۔ اگرچہ اس امر میں قریب قریب سب کااتفاق ہے کہ اگر آدمی حالت سفر میں ہو اور جنابت لاحق ہو جائے اور نہ ممکن نہ ہو تو تیم کر کے  
نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن پہلا گروہ اس مسئلہ کو حدیث سے اخذ کرتا ہے اور دوسرا گروہ اس روایت کی بنیاد پر قرآن کی مندرجہ بالا آیت پر رکھتا ہے۔

الْغَائِطِ أُولَئِنَّا مَوْلَانَا فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا  
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوجُوهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ عَفُوًّا عَنْ قَوْمٍ أَلَّمْ تَرَأَى إِلَيَّ الظَّالِمُونَ أُوتُوا نَصِيبَهَا

رفع حاجت کر کے آئے، یا تم نے عورتوں سے لس کیا ہو،<sup>[۶۹]</sup> اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پرسخ کرلو،<sup>[۷۰]</sup> بے شک اللہ زمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے۔

تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جنہیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا

[۶۹] اس امر میں اختلاف ہے کہ لس یعنی چھوٹے سے کیا مراد ہے۔ حضرات علی، ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری، ابن کعب، سعید بن جبیر، حسن بصری اور متعدد ائمہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد مباشرت ہے اور اسی رائے کو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام غیاث بن ثوری نے اختیار کیا ہے۔ مخالف اس کے حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی رائے ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ابن خطابؓ کی بھی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد چھوٹا یا باتھا گناہ ہے اور اسی رائے کو امام شافعی نے اختیار کیا ہے۔ بعض ائمہ نے بیچ کا مسلک بھی اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام مالکؓ کی رائے ہے کہ اگر عورت یا مرد ایک دوسرے کو جذبات شہوانی کے ساتھ باتھا گا میں تو ان کا دوض و ساقط ہو جائے گا اور نماز کے لیے انہیں نیا دضور کرنا ہوگا۔ لیکن اگر جذبات شہوانی کے بغیر ایک کاجم دوسرے سے مس ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

[۷۰] حکم کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہے یا اسے غسل کی حاجت ہے اور پانی نہیں ملتا تو تم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر مریض ہے اور غسل یا دضور کرنے سے اس کو نقصان کا اندر یہ ہے تو پانی موجود ہونے کے باوجود تم کی اجازت سے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

تیم کے معنی قصد کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے یا پانی ہو اور اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو پاک مٹی کا قصد کرو۔ تیم کے طریقے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مٹی پر باتھ مار کر منہ پر پھیر لیا جائے، پھر دوسری دفعہ باتھ مار کر کہنیوں تک باتھوں پر پھیر لیا جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، حبیب اللہ اور اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے، اور صحابہ و تابعین میں سے حضرت علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، حسن بصری، شعیؓ اور سالم بن عبد اللہ وغیرہم اس کے قائل تھے۔ دوسرے گروہ کے نزدیک صرف ایک دفعہ ہی باتھ مارنا کافی ہے۔ وہی باتھوں پر بھی پھیر لیا جائے اور اسی کو کھلائی تک باتھوں پر بھی پھیر لیا جائے۔ کہنیوں تک مس کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ عطا اور کھنوں اور اوزاعی اور احمد ابن حنبل حبیب اللہ کا مذہب ہے اور عموماً حضرات اہل حدیث اسی کے قائل ہیں۔

تیم کے لیے ضروری نہیں کہ زمین ہی پر باتھ مارا جائے۔ اس غرض کے لیے ہر گرد آسودجیز اور ہر دوچیز جو شک اجزاء ارضی پر مشتمل ہو کافی ہے۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس طرح مٹی پر باتھ مار کر منہ اور باتھوں پر پھیر لینے سے آخر طہارت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ آدمی میں طہارت کی حس اور نماز کا احرام قائم رکھنے کے لیے ایک اہم فنایاتی تدبیر ہے۔

اس سے فائدہ یہ ہے کہ آدمی خواہ کتنی ہی مدت تک پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو، بہر حال اس کے اندر طہارت کا احساس برقرار رہے گا، پا کیزگی کے جو قوانین شریعت میں مقرر کر دیے گئے ہیں ان کی پابندی وہ برا بر کرتا رہے گا، اور اس کے ذہن سے قابل نماز ہونے کی حالت اور قابل نماز نہ ہونے کی حالت کا فرق و امتیاز بھی موجود ہو سکے گا۔

مِنَ الْكِتَبِ يَشَرُّونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضَلُّوا  
السَّبِيلَ ۖ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَادِ إِنْكِمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيَّا فَوْكَفَىٰ  
بِاللَّهِ نَصِيرًا ۚ ۗ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ  
مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمِعَ  
وَرَأَيْنَا لَيْا بِالسُّنْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۖ وَلَوْا نَهْمُ قَالُوا  
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمُ لَا

[۲۱] اُو خود ضلالت کے خریدار بنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ گم کرو۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور تمہاری حمایت و مددگاری کے لیے اللہ تھی کافی ہے۔ جن لوگوں نے یہودیت کا طریقہ اختیار کیا ہے [۲۲] ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں، [۲۳] اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کرتے ہیں سمعنا و عصينا [۲۴] اور اسماع غیر مسمع [۲۵] اور راعنا [۲۶] حالانکہ اگر وہ کہتے سمعنا و اطعنا، اور اسماع اور انظرنا تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ تھا۔

[۲۷] علماء اہل کتاب کے تعلق قرآن نے آخری الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ”انہیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا ہے“، اس کی وجہ یہ ہے کہ اقل تو انہوں نے کتاب الہی کا ایک حصہ گم کر دیا تھا۔ پھر جو کچھ کتاب الہی میں سے ان کے پاس موجود تھا اس کی روح اور اس کے مقصد و مدة عالم سے بھی وہ بیگانہ ہو چکی تھی ان کی تمام دلچسپیاں لفظی، سخنوں اور احکام کے جزویات اور عقائد کی فلسفیات پیچیدگیوں تک محدود تھیں۔ سبی و جب تھی کہ وہ دین کی حقیقت سے نا آشنا اور دین داری کے جو ہر سے خالی تھے، اگرچہ علماء دین اور پیشوایان ملت کہے جاتے تھے۔ [۲۸] یہ نہیں فرمایا کہ ”یہودی ہیں“ بلکہ یہ فرمایا کہ ”یہودی بن گئے ہیں“، کیونکہ ابتداءً تو وہ بھی مسلمان ہی تھے، جس طرح ہر جی کی امت اصل میں مسلمان ہوتی ہے، مگر بعد میں وہ صرف یہودی بن کر رہ گئے۔

[۲۹] اس کے تین مطلب ہیں: ایک یہ کہ کتاب اللہ کے الفاظ میں رو و بدل کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اپنی تاویلات سے آیات کتاب کے معنی کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ یہ لوگ محمد ﷺ اور آپ کے پیروؤں کی صحبت میں آ کر ان کی باتیں سنتے ہیں اور واپس جا کر لوگوں کے سامنے غلط طریقہ سے روایت کرتے ہیں۔ بات کچھ کبھی جاتی ہے اور وہ اسے اپنی شرارت سے کچھ کا کچھ بنا کر لوگوں میں مشہور کرتے ہیں تاکہ انہیں بدنام کیا جائے اور ان کے متعلق غلط فہمیاں پھیلایا کر لوگوں کو اسلامی جماعت کی طرف آئنے سے روکا جائے۔

[۳۰] یعنی جب انہیں خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں تو زور سے کہتے ہیں سمعنا (ہم نے سن لیا) اور آہستہ کہتے ہیں عصينا (ہم نے قبول نہیں کیا)۔ یا اطعنا (ہم نے قبول کیا) کا تلفظ اس انداز سے زبان کو کچا دے کر کرتے ہیں کہ عصینا ہیں جاتا ہے۔

[۳۱] یعنی دوران گنگوہیں جب وہ کوئی بات محمد ﷺ سے کہنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں اسمع (سینے) اور پھر ساختہ ہی غیر مسمع بھی کہتے ہیں جو ذہنی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ ایسے محترم ہیں کہ آپ کو کوئی بات، خلاف مرضی نہیں سنائی جاسکتی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کر جسمیں کوئی کچھ سنائے۔ ایک اور مطلب یہ ہے کہ خدا کرتے تم ہرے ہو جاؤ۔

[۳۲] اس کی تشرع کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۰۸۔

وَلِكُنْ لَعْنَهُمُ اللَّهُ يُكْفِرُهُمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَبَ أَمْنُوا بِمَا نَزَّلَنَا مُصَدِّقًا لِمَا  
 مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرِدُهَا عَلَى آدَبَارِهَا  
 أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبِيلِ ۖ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ  
 مَفْعُولًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ  
 ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكَ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا  
 عَظِيمًا ۝ أَلْهَرَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهِ

مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پچھکار پڑی ہوئی ہے اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ اے وہ لوگوں نہیں کتاب دی گئی تھی! مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی [۲۷] اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیرو دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زده کرو دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا، [۲۸] اور یاد رکھو کہ اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، [۲۹] اس کے مساوی و مسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے [۳۰] اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کوششیک ٹھیکرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔ تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو بہت اپنی پا کیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں؟ حالانکہ پا کیزگی تو اللہ ہی جسے چاہتا

[۲۷] تشریح کے لیے ملاحظہ ہو آل عمران، حاشیہ ۲۔

[۲۸] ملاحظہ ہو سورہ بقرہ، حاشیہ ۸۲ و ۸۳۔

[۲۹] یاں لیے فرمایا کہ اہل کتاب اگر چنان بیاء اور کتب آسمانی کی پیروی کے مدعا تھے مگر شرک میں بتلا ہو گئے تھے۔

[۳۰] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس شرک نہ کرے باقی دوسرے گناہ دل کھوں کر کرتا رہے۔ بلکہ دراصل اس سے یہ بات ذہن نشین کرائی مقصود ہے کہ شرک، جس کو ان لوگوں نے بہت معمولی چیز سمجھ رکھا تھا، تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ اور گناہوں کی معافی تو ممکن ہے مگر یہ ایسا گناہ ہے کہ معاف نہیں کیا جاسکتا۔ علماء بہود شریعت کے چھوٹے چھوٹے احکام کا توزیع اہتمام کرتے تھے، بلکہ ان کا سارا وقت ان جزئیات کی ناپرداں ہی میں گزرتا تھا جو ان کے فقیہوں نے استنباط در استنباط کر کے نکالے تھے، مگر شرک ان کی نگاہ میں ایسا ہلکا فعل تھا کہ نہ خود اس سے بچنے کی فکر کرتے تھے، نہ اپنی قوم کو مشرکانہ خیالات اور اعمال سے بچانے کی کوشش کرتے تھے، اور نہ مشرکین کی دوستی اور حمایت ہی میں انہیں کوئی مشارکۃ ظفر آتا تھا۔

يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتَبَّأْلًا أَنْظُرْكَيْفَ  
يَقْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذَبَ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا أَلَّا هُنْ  
إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِدْلِ  
وَالظَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هُوَ لَعْنَةُ أَهْدَى  
مِنَ الَّذِينَ أَمْنَوْا سَيِّلًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنْهُمُ اللَّهُ  
وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيبًا أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ  
مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا أَمْ يَحْسُدُونَ

ہے عطا کرتا ہے، اور (انھیں جو پا کیزگی نہیں ملتی تو درحقیقت) ان پر ذرہ براہ ظلم نہیں کیا جاتا۔ دیکھو تو سہی، یہ اللہ پر بھی جھوٹے افتر آگھڑنے سے نہیں چوکتے اور ان کے صریحاً گناہ گار ہونے کے لیے یہی ایک گناہ کافی ہے۔

[۸۱] کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت [۸۲] کو انتہے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں سے تو یہی زیادہ سمجھ راستے پر ہیں۔ [۸۳] ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک پھوٹ کوڑی تک نہ دیتے۔ [۸۴] پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حد

[۸۱] جبت کے اصل معنی بے حقیقت، بے اصل اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں جادو، کہانت (جوش)، فال گیری، ٹونے تو بلکے، شگون اور مہورت اور تمام دوسری وہی و خیالی باقیں کو ”جبت“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے النبیقة والطرق والطیر من الحجت۔ یعنی جانوروں کی آوازوں سے فال لینا، زمین پر جانوروں کے نشانات قدم سے شگون نکالنا اور فال گیری کے دوسرے طریقے سب ”جبت“ کے قابل ہیں۔ پس ”جبت“ کا مفہوم وہی ہے جسے ہم اروزو بان میں اوہام کہتے ہیں اور جس کے لیے انگریزی میں (Superstitions) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

[۸۲] تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سو رہ لقرہ، حاشیہ ۲۸۶ و ۲۸۸۔

[۸۳] یہاں کافروں سے مراد ہیں مشرقین عرب۔ علماء یہود کی ہست دھرمی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جو لوگ محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے ان کو وہ مشرقین عرب کی پیدبیت زیادہ گمراہ فرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ان سے تو یہ مشرقین ہی زیادہ راہ راست پر ہیں۔ حالانکہ وہ صریح طور پر دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف خاص توحید ہے جس میں شرک کا شانہ تک نہیں اور دوسری طرف صریح بت پرستی ہے جس کی مذمت سے ساری بابل بھری پڑی ہے۔

[۸۴] یعنی کیا خدا کی حکومت کا کوئی حصہ ان کے قبضہ میں ہے کہ یہ فصلہ کرنے چلے ہیں کہ کون بر سر ہدایت ہے اور کون نہیں ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو ان کے ہاتھوں دوسروں کو ایک پھوٹ کوڑی نصیب نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کے دل تو اتنے چھوٹے ہیں کہ ان سے حق کا اعتراف نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا ان کے پاس کسی ملک کی حکومت ہے کہ اس میں دوسرے لوگ حصہ بناتا چاہتے ہیں اور یہ انھیں اس میں سے پچھیں دینا چاہتے ہیں؟ یہاں تو محض اعتراف حق کا سوال درپیش ہے اور اس میں بھی یہ بخیل سے کام لے رہے ہیں۔

النَّاسَ عَلَى مَا أَتَهُمْ أَنَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ فَقَدْ أَتَيْنَا  
 أَلَّا إِبْرَاهِيمَ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَأَتَيْنَاهُمْ مُّلْكًا عَظِيمًا ۝  
 فِينَهُمْ مَنْ أَمْنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّعَنَهُ ۝ وَكُفَىٰ بِجَهَنَّمَ  
 سَعِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُواٰ يَا لَيْتَنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۝  
 كُلَّمَا نَضَجَتْ جُنُودُهُمْ بَدَّ لَنَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لَيْدُ وَقُوَا ۝  
 لَئِنَّ الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
 الصِّلَاحَتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ  
 فِيهَا آبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَرْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۝ وَنُدْخِلُهُمْ ظَلَالًا ظَلِيلًا ۝

کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ [۸۵] اگر یہ بات ہے تو انھیں معلوم ہو کہ ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا، [۸۶] مگر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لا یا اور کوئی اس سے منہ موڑ گیا، [۸۷] اور منہ موڑنے والوں کے لیے تو بس جہنم کی بھرپوری آگ ہی کافی ہے۔ جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں باسیقین ہم آگ میں جھوکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسرا کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عزاد کامرا چھیس، اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا اور نیک عمل کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہیں بہتی ہوں گی، بہماں وہ ہمیشہ ہمیشور ہیں گے اور ان کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور انھیں ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔

[۸۵] یعنی یا پنی نا انبی کے باوجود اللہ کے جس فضل اور جس انعام کی آس خود لگائے بیٹھے تھے، اس سے جب دوسرے لوگ سرفراز کر دیے گئے اور عرب کے امیوں میں ایک عظیم الشان نبی کے ظہور سے وہ روحانی و اخلاقی اور ذہنی و عملی زندگی ییدا ہو گئی جس کا لازمی نتیجہ عروج و سر بلندی ہے، تو اب یہ اس پر حسد کر رہے ہیں اور یہ باتیں اسی حسد کی بنا پر ان کے منہ سے نکل رہی ہیں۔

[۸۶] ”ملک عظیم“ سے مراد دنیا کی امامت و رہنمائی اور اقوام عالم پر قائدانہ اقتدار ہے جو کتاب اللہ کا علم پانے اور اس علم و حکمت کے مطابق عمل کرنے سے لازماً حاصل ہوتا ہے۔

[۸۷] یاد رہے کہ یہاں جواب نبی اسرائیل کی حادثہ باتوں کا دیا جا رہا ہے۔ اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ آخر جملے کس بات پر ہو؟ تم بھی ابراہیم کی اولاد ہو اور یہ نبی اسما عیل بھی ابراہیم کی اولاد ہیں۔ ابراہیم سے دنیا کی امامت کا جو وصہ ہم نے کیا تھا وہ آل ابراہیم میں سے صرف ان لوگوں کے لیے تھا جو ہماری بھیگی ہوئی کتاب اور حکمت کی پیر ہوئی کریں۔ یہ کتاب اور حکمت پہلے ہم نے تمہارے پاس بھیجی تھی مگر تمہاری اپنی نالائقی تھی کہ تم اس سے منہ موڑ گئے۔ اب وہی چیز ہم نے نبی اس طبعی کو دی ہے اور یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔